ڈاکٹر رابعہ سرفراز
شعبہ اردو،
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

اقبال اور مذہبی تجربے کے انکشافات کا فلسفیانہ امتحان: ایک تجزیاتی مطالعہ

This article describes the Philosophical test of the revelations of religious experience presented byDr. Iqbal. He expressed Nature as the subject of science rated at highly artificial affair, whereas religion demands the whole of reality and has no reason to be afraid of any sectional views of reality.When we rise to the level of life and mind ,we stand in need of concepts of a different order of thought.When we look at the creation of the world from the outside it is a process lasting through thousands of years but the Quran describe it one Divine day.A deeper insight of our conscious experience reveals that beneath the appearnce of serial duration there is true duration.The article concludes that aspiration of religion soars higher than philosophy and religion seeks a closer contact with reality.

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا مَیں تو کیا ہوتا! (۱)

کائنات وحیات اس حقیقتِ مطلق کی نشانیاں ہیں جو اول بھی ہے اور آخر بھی، جو دکھائی بھی دیتا ہے اور نگاہوں سے اوجھل بھی ہے۔

”جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو خدا رہے گا۔وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیامیں جو کچھ بھی موجود ہے اُسی کی صفات، افعال اور اُسی کے نور کا ظہور ہے۔وہ ہر مخفی سے بڑھ کر پوشیدہ ہے، کیونکہ اسے حواس اور عقل کے ذریعہ نہیں ناپا جاسکتا۔“(۲)

ایسی ہستی صرف ایک ہے جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور اس کے ظاہر وباطن میں کوئی تضاد یا دوئی نہیں ہے۔اقبال کے نزدیک ہمارے تجربے میں ہستی کی تین سطحیں موجود ہیں یعنی مادہ، حیات اور نفس یا شعور۔اقبال عقلی استدلالی کے ذریعے حقیقتِ مطلق کے ادراک کے قائل نہیں ہیں وہ صرف عقلِ وجدانی کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ اس کے وسیلے سے حقیقتِ مطلق کو پہچانا جاسکے کیونکہ عقلی استدلالی کا دائرہ خارجی دنیا تک محدود ہے جبکہ عقلِ وجدانی ہماری باطنی دنیا سے متعلق ہے۔قرآن پاک میں ہے:

”وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہُوا۔اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، جو کام بھی تم کرتے ہو، اُسے وہ دیکھ

رہا ہے۔وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اُسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور دلوں میں چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔''(۳)

زماں کے اعتبار سے ہمارا مشاہدہ تین صورتیں اختیار کرتا ہے جو مادہ' حیات اور نفس (شعور) پر مشتمل ہے۔ان موضوعات کا تعلق طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات سے ہے۔مادی دنیا وہ ہے جس کا اِنکشاف ہمارے حواس کرتے ہیں۔فطرت کا نصف حصہ ''خواب'' اور نصف ''قیاس'' پر مشتمل ہے۔زمان ومکاں آپس میں ملے ہوئے ہیں اور کائنات واقعات وحوادث کا ایسا نظام ہے جس میں واقعات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ہر واقعے کا گزرتے ہوئے واقعہ سے تعلق ہے۔واقعات کی مسلسل تخلیقی حرکت کائنات ہے ۔قرآنی تعلیمات کی رُو سے خدا' کائنات اور زندگی متحرک ہیں۔قرآن کا ایک دن سائنسی زندگی کے ہزار دنوں کے برابر ہے۔

اقبال کی رائے میں شعور زندگی کا مظہر ہے ۔زندگی کے ارتقائی سفر میں شعور روشنی کے ایک نقطہ کی طرح اس کی رہبری کرتا ہے۔شعور کی حدود متعین نہیں ہیں لیکن ہر طرح کا علم شعور کی بدولت حاصل ہوتا ہے ۔زندگی خارجی قوت سے چلنے والی مشین نہیں بلکہ اس کی تعبیر روحانی قوت کے طور پر کی جاتی ہے۔طبیعیات میں ایسے مظاہر کے روابط دریافت کیے جاتے ہیں جو ناپے' تولے اور محسوس کیے جاسکتے ہیں اور یہ اپنے محدود دائرے سے باہر نہیں جاسکتی۔سائنس مذہبی اور جمالیاتی وجدان جیسے اہم عناصر پر توجہ کرنے سے قاصر ہے۔

''اقبال فرماتے ہیں کہ علوم طبع کی مثال تو کوّوں اور گِدھوں کی ہے' جو فطرت کے مردہ جسم پر جھپٹتے ہیں اور اُس کا جو ٹکڑا بھی کسی کے تصرف میں آتا ہے نوچ کر لے جاتا ہے ۔مگر مذہب تو پوری کی پوری حقیقت کا طلب گار ہے لہٰذا اس بارے میں عالمِ محسوس سے حاصل کردہ معلومات کو ہمیں مرکزی جگہ دینی چاہیے۔''(۴)

اقبال وقت کو ایک آزاد تخلیقی حرکت کا نام دیتے ہیں جس کے سامنے کوئی معین لائحہ عمل موجود نہیں ہے۔کائنات کے تخلیقی تسلسل کی طرف قرآن مجید ہماری توجہ دلاتا ہے اور یہ حقیقتِ مطلق کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

''یقیناً رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں اور ہر اُس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے 'نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو متقی ہیں۔''(۵)

''وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔ہر اُس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔''(۶)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہُوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے ۔سب ایک وقتِ مقرر تک چلے جارہے ہیں۔''(۷)

''وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے۔''(۸)

اقبال کی رائے میں کائنات زماں میں واقع ہے اور شعوری واردات کے تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہم ایک کے بعد دوسری کیفیت میں سفر کرتے ہیں۔ہم مسلسل تبدیلی کے عمل سے دوچار ہیں۔ہمارے اندر اور باہر کچھ ساکن نہیں۔ہماری داخلی واردات کا زمانی قیاس ہماری خارجی زندگی کے زمانی تصور سے مختلف ہے۔یعنی ہمارے دورُخ ہیں ظاہری اور باطنی۔اقبال انسانی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو ''بصیر'' اور ''فعال'' کے نام سے پکارتے ہیں۔''فعال'' کا تعلق عملی زندگی سے

ہے اور اس کا واسطہ زمانِ مسلسل سے ہے جو مختصر یا طویل ہوسکتا ہے ۔جب ہم شعور کی گہرائیوں میں کھوجاتے ہیں تو باطنی زندگی کا ''بصیر'' پہلو سامنے آتا ہے ۔ایسی صورت میں شعور کا فعال پہلو معطل ہوجاتا ہے اور تجربے میں حرکت کے احساس کے باوجود وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا یعنی ''بصیر'' آنِ واحد ہے جس میں ہمارا واسطہ زمانِ خالص سے پڑتا ہے۔اس عملِ تخلیق کو آنکھ جھپکنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ ہماری خودی کی خلوت کا پہلو ہے۔ زندگی کی مسلسل تگ و دو حیات کے'' بصیر'' پہلو کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کردیتی ہے۔قرآن مجید میں ہے:

''اے محمدؐ! اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو۔اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے۔وہ جس نے چھ دنوں (یعنی زمانِ متسلسل) میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری اشیا کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں، پھر آپ ہی ''عرش'' پر جلوہ فرما ہُوا۔رحمٰن اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔''(۹)

روحانی قوت محسوسات سے وابستہ ہوکر ظہور میں آتی ہے۔سائنسی علوم نے میکانیت کے بل بوتے پر تسخیرِ کائنات کا فریضہ انجام دیا ہے لیکن سائنس میں ہستی کے حوالے سے جامع نقطۂ نظر مفقود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکتے (یعنی زمانِ خالص) ہی میں واقع ہوجاتا ہے۔''(۱۰)

مذہب کا فریضہ زندگی کو مجموعی طور سے دیکھتے ہوئے بصیرت پر عمل پیرا ہونا ہے۔سائنس کے مادی حقائق مذہب کے لیے خطرے کا باعث نہیں۔زندگی کے اصول طبیعیات سے مختلف ہیں اور ان میں باطنی میلانات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔نفس کی حقیقت زمانِ خالص ہے جو چاند سورج کی گردش کے تابع نہیں۔اس کیفیت میں ماضی، حال اور مستقبل کی تقسیم نہیں ہوتی۔قرآن کے مطابق خدا کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے ''بصیر'' کے پہلو سے یہ تخلیقی عمل جو ہزاروں سالوں کے برابر ہے ناقابلِ تجزیہ عمل ہوجاتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

حادثہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے
نہ ستارے میں ہے نہ گردشِ افلاک میں ہے تیری تقدیر مرے نالۂ بے باک میں ہے
یا مری آہ میں کوئی شرر زندہ نہیں یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے
کیا عجب میری نوا ہائے سحر گاہی سے زندہ ہوجائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے
توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے (۱۱)

وجدانِ خالص میں ماضی قصۂ پارینہ نہیں ہے بلکہ حال میں شامل ہوکر محوِ سفر ہے اور مستقبل بطور ممکنات اس کا حصہ ہے۔اقبال کی رائے میں کائنات اضافہ پذیر ہے اور قرآن میں بارہا اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کائنات ازل سے ڈیزائن کردہ کوئی ساکت اور جامد ڈھانچہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کوشش اور جدوجہد کے کوئی معنی باقی نہ رہتے۔درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''زماں کی حرکت کسی پہلے سے کھنچے ہوئے خط کی شکل میں نہیں، کیونکہ یہ خط ابھی کھنچ رہا ہے اور اس سے مراد وہ امکانات ہیں جو ہوسکتا ہے وقوع میں آئیں اور ہوسکتا ہے نہ آئیں۔اقبال کے نزدیک مستقبل انھیں معنوں میں بامقصد ہے۔''(۱۲)

'انائے بصیر' انائے فعال' کی اصلاح کرتی ہے۔زمانِ خالص میں وقت حال کے ساتھ گزرتا ہے اور ایک امکان کی

صورت میں روبرو ہوتا ہے۔زمانے کے اس تصور کوقرآن نے تقدیر کے نام سے یاد کیا ہے۔اقبال کی رائے میں تقدیروہ زمانہ ہے جس کے امکانات کا انکشاف ابھی باقی ہے اُسے محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا حساب کتاب ممکن نہیں۔قرآن مجید:

''ہم نے ہر شے پیدا کی اور ہم نے ہی ہر شے کا مقدر طے کیا۔''(۱۳)

''ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔''(۱۴)

اقبال اس تصور تقدیر کے مخالف ہیں جس کے تحت ہر چیز ظالم وجابر آقا نے پہلے ہی سے متعین کر رکھی ہے۔زمان حقیقت ہے اور سب لمحات یکساں نہیں ہوسکتے۔ہر لحہ نئی اور نادر شے کا ظہور ہوتا ہے۔قرآن مجید:

''وہ ہر روز نئی شان سے ظاہر ہوتا ہے''(۱۵)

اقبال تقدیر کو ہستی کی ماہیئت قرار دیتے ہیں۔اس حوالے سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''تقدیر خارج سے کسی ہستی پر وارد نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی ہستی کی ماہیئت ہوتی ہے جس کے اندر اس کے تمام ممکنات مضمر ہوتے ہیں جو عالمِ خارجی میں یکے بعد دیگرے ظہور میں آئیں گے۔تقدیر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام ہونے والے واقعات معیّن اور مشخص صورتوں میں اس کے اندر موجود ہیں اور یکے بعد دیگرے عالمِ خارجی میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔اگر زمان حقیقی ہے تو وہ ہر لحہ تازہ آفرین ہے اس کی خلاقی کے متعلق کوئی پیش بینی نہیں ہوسکتی۔''(۱۶)

زمانِ خالص کے ہر لحہ کی زندگی تخلیقی زندگی ہے۔تخلیق اور تکرار ایک دوسرے کی ضد ہیں۔اقبال زندگی کو اختیار سے تعبیر کرتے ہیں اور کائنات کو آزاد اور تخلیقی حرکت سے تعبیر کرتے ہیں۔اگر انسان واقعی پیاسا ہے تو اسے صحرا کی ریت پانی کی جھیل نظر آئے گی لیکن اگر وہ کہے کہ اس نے سراب نہیں دیکھا تو یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اسے کسی اور شکل میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ہر شعوری تجربہ کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے اور مقصد کا تصور مستقبل سے مشروط ہے۔اقبال کی رائے میں مستقبل غیر متعین نہیں بلکہ امکانات کی صورت میں موجود ہے۔جیسے جیسے زندگی ارتقائی سفر طے کرتی ہے'انسان کے مقاصد میں تبدیلی اور جدت پیدا ہوتی ہے۔زندگی کا تسلسل شعوری نظم وضبط کے تابع ہے۔کائنات میں ہر لحہ اضافہ ہوتا ہے۔

تُو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن' جہاں خس و خاشاک (۱۷)

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد (۱۸)

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش (۱۹)

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''اور وہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کے لیے جانشیں بنادیا ہے اور یہ اُن کے لیے ہے جو خدا کے متعلق جاننا چاہتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں۔''(۲۰)

فطرت کا خدا سے تعلق شعور انسانی کی سیرت سے تعلق کے مماثل ہے۔اسی لیے قرآن نے فطرت کو اللہ کی سنت قرار دیا ہے۔زماں حقیقت مطلقہ کے وجود کا حصہ ہے مگر زمانِ تسلسل جس میں ماضی' حال اور مستقبل کا تصور موجود ہے۔قرآن

میں ہے:

''اسی کے لیے رات اور دن کا اختلاف ہے۔''(۲۱)

جب انسان عقل کے ذریعے فطرت پر نظر ڈالتاہے تو اس کی جدوجہد وحدت الوجود پر ختم ہوتی ہے لیکن وجدان انسان کو یہ احساس دلاتاہے کہ انسانی زندگی(خودی محدود) کی بدولت ہم خودی مطلق(حقیقت مطلق) کی ماہیئت کا اندازہ کرتے ہیں۔فلسفہ فاصلے سے حقیقت کا مشاہدہ کرتاہے اور مذہب قریب سے ۔یہ قرب اس وقت حاصل ہوتاہے جب ہم اپنی فکری حدود سے آگے بڑھتے ہوئے حصولِ مقصد کے لیے وہ طریقہ اپنائیں جسے مذہب''دعا'' کانام دیتاہے اور جو رسول اکرمﷺ کے لبوں پر آخری دم تک موجود تھی۔

اقبال کی رائے میں اللہ انسانی خودی کی پرورش چاہتاہے اور انسان سمیت ساری کائنات کو اپنے وصل میں گم دیکھنانہیں چاہتا بلکہ ایسا وصل چاہتاہے کہ جس کے ہر مظہر سے وصال کی جھلک نظر آئے۔سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:

''مقاصد دراصل ہماری زندگی کو آگے ہی آگے دھکیلتے اور ان کیفیات کے منتظر رہتے' بلکہ اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں جن کو ابھی پیش آناہے۔کسی مقصد کے اشارے کا آگے بڑھنا گویا اس چیز کی طرف بڑھناہے جس کے لیے آگے بڑھنا چاہیے تھا۔مختصراً یہ کہ ہماری کیفیاتِ شعور میں ماضی اور مستقبل دونوں کارفرما رہتے ہیں۔''(۲۲)

اقبال نے ارسطو سے منسوب تینوں دلیلوں''دلیلِ کونی''،''دلیلِ غائی''اور''دلیلِ وجودی'' سے اختلاف کرتے ہوئے انھیں مسترد کیاہے۔''دلیلِ کونی'' علت ومعلول کی دلیل ہے جس کے مطابق حرکت کے لیے محرک کے وجود کی طرح ہر معلول کی علت ہوتی ہے۔علت ومعلول کا یہ سلسلہ چلتے چلتے آخری علت جو کسی علت کا معلول نہیں، تک پہنچتاہے اور ختم ہوجاتاہے۔یہ آخری علّت اور محرکِ اوّل خداہے۔

اقبال کی رائے میں علّت ومعلول کے لاامتناعی سلسلے کا اچانک ایک مقام پر رُک جانا اُس اصول کے خلاف ہے جس پر دلیل قائم ہے۔آخری علّت معلول کے نہ ہونے کی وجہ سے محدود ہوجائے گی اور محدود ہستی خدانہیں ہوسکتی مزید یہ کہ لاامتناہی کی نفی سے لاامتناعی تک پہنچنا ممکن نہیں۔''دلیلِ غائی'' کے مطابق کائنات کی غیرمعمولی ترتیب اور تنظیم کے پیچھے ایک غیرمعمولی صناع کا ذہن ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے اور وہ خداہے۔یہ دلیل صناع کا تصور پیش کرتی ہے خالق کانہیں اس لیے اسے مسترد کیا جاتاہے۔''دلیلِ وجودی'' کے مطابق کسی شے کے تصور میں کسی خوبی کی موجودگی سے یہ امکان غالب ہے کہ وہ صفت اس شے میں ہو۔اپنی ذات کے نامکمل ہونے کے احساس کے ساتھ ہی ذہن میں ایک کامل ہستی کا تصور پیداہوتاہے اور وہ کامل ہستی جس کا تصور ہمارے ذہن میں ڈالا گیا ہے۔خداہے۔اس دلیل کو اس بناء پر مسترد کردیا گیا کہ تصور اور حقیقت میں فاصلہ فکری حدود سے تجاوز کے ذریعے طے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی منطق کو حقیقت کے برابر قرار دیا جاسکتاہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''توحیدِ وجودی کے تصور میں غیرخدا کی نفی اس شدت سے کی جاتی ہے کہ خالق ومخلوق ایک ہوجاتے ہیں۔یعنی مخلوق کوئی الگ وجودنہیں رکھتی ۔اس کا وجوددرحقیقت وجود خداوندی ہی کا روپ ہے۔''(۲۳)

اقبال کہتے ہیں کہ اللہ انسانی خودی کی پرورش چاہتاہے اور انسان سمیت ساری کائنات کو اپنے وصل میں گم دیکھنانہیں چاہتا بلکہ ایسا وصل چاہتاہے کہ جس کے ہر مظہر سے وصال کی جھلک نظر آئے۔درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

''مقاصد دراصل ہماری زندگی کو آگے ہی آگے دھکیلتے اور ان کیفیات کے منتظر رہتے' بلکہ اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں جن کو ابھی پیش آنا ہے۔کسی مقصد کے اشارے سے آگے بڑھنا گویا اس چیز کی طرف بڑھنا ہے جس کے لیے آگے بڑھنا چاہیے تھا۔مختصراً یہ کہ ہماری کیفیاتِ شعور میں ماضی اور مستقبل دونوں کارفرما رہتے ہیں۔''(۲۴)

مذہبی عقیدت عقل کے منافی نہیں اس سے ماوراہے۔عالم غیر حقیقی ہے صرف ذاتِ الٰہی کا وجود حقیقی ہے جو ہر چیز میں موجود ہے۔

دمادم رواں ہے یمِ زندگی | ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود | کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دُود
یہ ثابت بھی ہے اور سیّار بھی | عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر | مگر کہیں بے چگوں' بے نظیر
پسند اس کو تکرار کی خُو نہیں | کہ تُو مَیں نہیں اور مَیں تُو نہیں (۲۵)

اقبال کی رائے میں اللہ کی خودی کی تخلیقی توانائی میں تصورات اور افعال آپس میں ملے ہوئے ہیں اور خارجی دنیا میں مختلف شکلوں میں وحدت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔حقیقت کو اپنے حقیقی ہونے کا شعور بھی ہے اور اس کا معیار اور درجہ بندی خودی(انا) کے شعور سے مشروط ہے۔انا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انا رکھنے والے دیگر وجودوں سے رابطہ رکھتی ہے لیکن داخلی حوالے سے وہ تنہا ہوتی ہے۔انسانی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی عبدیت کے دائرے سے خارج ہوجائے۔خالق اور مخلوق میں بے امتیاز وحدت نہیں ہوتی۔کائنات کی تخلیق اس لیے نہیں ہوئی کہ ہم کہیں کہ کوئی چیز پہلے اور کوئی بعد میں بنائی گئی ہے۔ایسے خیالات سے اللہ اور کائنات ایک دوسرے سے الگ وحدتیں بن کر ایک دوسرے کے مقابل آجائیں گی جو غلط ہے۔زمان و مکان حیاتِ الٰہی کے ظہور کی نشانیاں ہیں اگر اللہ حوادث کی مسلسل تخلیق نہ کرے تو عالم کا وجود باقی نہ رہے۔ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں:

''انسان کے لیے یہ فطری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذاتِ الٰہی سے علیحدہ تصور کرے۔اُس کی جستجو میں انسان کی نارسائیاں ہی اس کے لیے سب سے بڑے محرک کا حکم رکھتی ہیں۔فراق ایسی نعمت ہے جو وصال میں بھی باقی رہنی چاہیے۔جدائی عشق کی آئنہ دار اور عاشقوں کی سازگار ہے۔''(۲۶)

اللہ کی ذات کے سمندر میں غرق ہونا انسان کا انجام نہیں بلکہ انسان کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کو اپنے اندر اس طرح جذب کرے کہ وہ اپنی خودی کو برقرار رکھتے ہوئے اسے خود میں ضم کرے یعنی انسان اپنی مذموم صفات کو ختم کر کے اپنی خودی کو کمالی صفات میں ضم کرنے کی کوشش کرے۔

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر | طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیرِ مولا' جہاں اس کا صید | زمیں اس کی صید' آسماں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود | کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا | تری شوخیِ فکر و کردار کا
یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار | کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار (۲۷)

حقیقتِ مطلق تمام عالم سے بے نیاز ہے۔خارجی فطرت یا ماسوا حیاتِ الٰہی میں آتی جاتی کیفیت کا نام ہے۔حقیقتِ

مطلق سمیع وبصیر ہے اس کے باوجود نفسِ الٰہی کا واضح تصور قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔فطرت کا علم دراصل خدا کی سیرت کا علم ہے اور ہم کائنات کے مشاہدے کے ذریعے حقیقتِ مطلق کے ساتھ خصوصی ربط پیدا کرتے ہیں۔اسی لیے مظاہرِ فطرت پرغور وفکر کو عبادت کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔اقبال اس نظریے کی نفی کرتے ہیں کہ کسی کے لیے جو مستقبل تھا وہ ہمارے لیے حال ہے کیونکہ جب تک مستقبل میں کوئی عمل وقوع پذیر نہیں ہوتا وہ اس سے پہلے کہیں بھی نہیں ہوتا۔اس لیے مستقبل معرضِ امکان ہے معرضِ وجود نہیں۔انسانی زندگی خارجی عالم سے منسلک ہے۔ہم کامیابی اور ناکامی‘ خوشی اور غمی کی کیفیات سے ایک سے دوسری حالت میں سفر کرتے ہیں لیکن خدا ان تقاضوں اور حدود سے ماورا ہے۔قرآن خدا کو زندہ کہتا ہے۔حقیقتِ الٰہی کا کمال اس کی خلاقی میں پوشیدہ ہے اور حیاتِ الٰہی سے مراد خدا کی ذات کا انکشاف ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

> **"Thus a comprehensive philosophical criticism of all the facts of experience on its efficient as well as appreciative side brings us to the conclusion that the Ultimate Reality is a rationally directed creative life.To interpret this life as an ego is not to fashion God after the image of man.It is only to accept the simple fact of experince that life is not a formless fluid, but an organizing principle of unity, a synthetic activity which holds together and focalizes the dispersing dispositions of the living organism for a constructive purpose."(28)**

☆☆☆

حواشی

۱۔غالب‘ دیوان غالب‘اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن‘۲۰۱۴ء‘ص۳۷۔

۲۔قرآن مجید:سورۃ الحدید:۳۔ ۳۔قرآن مجید:سورۃ الحدید:۴‘۵۔

۴۔خطباتِ اقبال تسہیل وتفہیم‘ڈاکٹر جاوید اقبال‘لاہور:اقبال اکادمی پاکستان‘۲۰۰۸ء‘ص۶۷۔

۵۔قرآن مجید:سورۃ یونس:۶۔ ۶۔قرآن مجید:سورۃ الفرقان:۶۲۔

۷۔قرآن مجید:سورۃ لقمان:۲۹۔ ۸۔قرآن مجید:سورۃ الزمر:۵۔

۹۔قرآن مجید:سورۃ الفرقان:۵۸‘۵۹۔ ۱۰۔قرآن مجید:سورۃ القمر:۴۹‘۵۰۔

۱۱۔کلیات اقبال(اردو)‘اقبال‘لاہور:اقبال اکادمی پاکستان‘۱۹۹۵ء‘ص۳۹۲‘۳۹۳۔

۱۲۔ڈاکٹر جاوید اقبال‘زندہ رود‘لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز‘۲۰۱۲ء‘ص۴۳۹۔

۱۳۔قرآن مجید:سورۃ الفرقان:۲۔ ۱۴۔قرآن مجید:سورۃ القمر:۴۹۔

۱۵۔قرآن مجید:سورۃ الرحمٰن:۲۹۔

۱۶۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم‘تلخیص خطبات اقبال‘تدوین ڈاکٹر طارق عزیز‘لاہور:بزمِ اقبال ۱۹۸۸ء‘ص۴۸۔

۱۷۔کلیاتِ اقبال‘۳۹۴۔ ۱۸۔کلیاتِ اقبال‘ص۳۹۶۔

۱۹۔کلیاتِ اقبال‘ص۳۹۹۔ ۲۰۔قرآن مجید:سورۃ الفرقان:۶۲۔

۲۱۔قرآن مجید:سورۃ المومنون:۸۰۔

۲۲۔سید نذیر نیازی‘تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ‘لاہور:بزمِ اقبال‘۲۰۱۲ء‘ص۹۹۔

۲۳۔ڈاکٹر جاویداقبال،خطباتِ اقبال،ص۷۵۔

۲۴۔سیدنذیرنیازی،تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ،لاہور: بزمِ اقبال،۲۰۱۲ء،ص۹۹۔

۲۵۔اقبال،کلیاتِ اقبال،ص۴۵۳۔

۲۶۔ڈاکٹریوسف حسین خاں،روحِ اقبال،لاہور:القمرانٹرپرائزز،۱۹۹۶ء،ص۳۷۵۔

۲۷۔کلیاتِ اقبال،ص۴۵۷۔

28.The reconstruction of religious thought in Islam,Allama Muhammad Iqbal,editted by M.Saeed Sheikh,Lahore:Institute of Islamic culture,1986,P48.